قالوا انه هرب لما ولى الخلافة الى الشام فكان مع معاوية الى ان قتل معه بصفين ۔

(الاصابه صـ۷۶ ج ۳)

لوگ کہتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سریرآرائے خلافت ہوئے تو حضرت عبید اللہ بھاگ کر شام چلے گئے، اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے تاآنکہ صفین کے موقع پر شہید ہو گئے ۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی ہماری تاویل کی تائید ہوتی ہے، حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق یہی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف یہ نسبت بالکل ہی غلط ہے، اور مولانا نعمانی نے منہاج السنۃ کی پوری عبارت نقل کی ہے اس سے بھی نعمانی صاحب کی رائے کی تائید ہوتی ہے ۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ انہوں نے منہاج السنۃ کی پوری عبارت نقل نہیں کی ہم وہ عبارت بتمامہ نقل کرتے ہیں کیونکہ اس عبارت سے مسئلہ کا فقہی حکم واضح ہو جاتا ہے ۔

واما قوله وكان على يريد قتل عبيد الله بن عمر فهذا لو صح كان قدحًا فى على والرافضة لا عقول لهم يمدحون بما هو الى الذم اقرب فانها مسئلة اجتهاد وقد حكم حاكم بعصمة الدم فكيف يحل لعلى نقضه وعلى ليس ولى المقتول ولا طلب ولى المقتول القود واذا كان حقه لبيت المال فللامام ان يعفو عنه وهذا مما يذكر فى عفو عثمان وهو ان الهرمزان لم يكن له عصبة الا السلطان واذا قتل من لا ولى له كان للامام

رافضی کا یہ قول کہ حضرت علی نے عبید اللہ کے قتل کا ارادہ کیا تھا ۔ یہ بات اگر صحیح ہو تو اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی لازم آتی ہے ۔ رافضی بالکل ہی بے وقوف ہیں کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس طرح تعریف کرتے ہیں جو کہ بجائے تعریف کے مذمت کے زیادہ قریب ہوتی ہے ۔ یہ اجتہادی مسئلہ تھا، اور تحقیق حاکم وقت نے حضرت عبید اللہ کے معصوم الدم ہونے کا فیصلہ کر دیا تھا۔ پھر یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس فیصلہ کو منسوخ کر کے اس کو مباح الدم قرار دے دیں ۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ تو خود مقتول کے ولی تھے اور نہ ہی مقتول کے ولی نے ان سے قصاص کا مطالبہ کیا تھا ۔ جب اس کا حق بیت المال کے لئے تھا ۔ تو اب امام

ان يقتل قاتله وله ان لا يقتل
قاتله ولكن يأخذ الدية
والدية حق للمسلمين و بكلّ
حال فلم يكن بعد عفو عثمان
وحكمه بحقن دمه ما يبيح
قتله اصلاً۔ وما اعلم فى هذا
نزاعًا بين المسلمين فكيف يجوز
ان ينسب الیٰ على مثل ذالك، ثم
يقال يا ليت شعرى متى عزم
على۔ على قتل عبيد الله ومتى
تمكن على من قتل عبيد الله
او متى تفرغ حتى ينظر فى امره،
وعبيد الله كان معه الوف مؤلفة
من المسلمين مع معاوية و
فيهم خير من عبيد الله
بكثير وعلى لم يمكنه عزل
معاوية وهو عزل مجرداً
فكان يمكنه قتل عبيد الله

(منهاج السنه ص۲۰۳ ج ۳)

کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ قاتل کو معاف کر دے
اسی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے
عبید اللہ کو معاف کر دیا تھا کیونکہ ہرمزان کا
بیت المال کے بغیر کوئی ولی وارث نہ تھا،
جب اس طرح کا کوئی شخص قتل ہو جائے
کہ جس کا کوئی ولی وارث نہ ہو تو امام کو اختیار
ہے کہ قاتل کو قتل کر دے، یا قاتل کو معاف
کرکے اس سے دیت لے لے۔ اور دیت
تمام مسلمانوں کا حق ہے۔ بہرحال جو بھی صورت
ہو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے معاف
کر دینے اور ان کو معصوم الدم قرار دے
دینے کے بعد کوئی ایسا امر نہیں پیدا ہوا تھا۔
جو کہ ان کو مباح الدم قرار دے اور اس
معاملہ میں مسلمانوں کے درمیان کسی قسم کا اختلاف
مجھے معلوم نہیں۔ پھر کیسے یہ احتمال ہو سکتا
ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اس
امر کی نسبت کی جائے۔ پھر کہا جائے کاش
مجھے کہیں سے یہ پتہ چل جاتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ
نے کب عبید اللہ کے قتل کرنے کا ارادہ کیا؟
اور کب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو عبید اللہ کے
قتل پر قابو ملا؟ اور کب ان کو اتنی فرصت
ملی کہ وہ عبید اللہ کے معاملہ پر غور کرتے؟
حالانکہ عبید اللہ کے ساتھ تو ہزارہا افراد تھے۔

جو کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا
اور ان افراد میں بہت سے اشخاص ایسے
بھی تھے جو عبید اللہ سے افضل تھے۔ حضرت
علی رضی اللہ عنہ تو صرف حضرت معاویہ کو معزول
بھی نہ کر سکے۔ پھر ان کو کیسے اس امر پر قدرت
ہوتی کہ وہ عبید اللہ کو قتل کر دیتے۔ ؟

نعمانی صاحب مرتب رسالہ کا یہ قول :-

"محاصرہ کے چالیسویں دن ان سرکشوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے مکان کے دروازے میں آگ لگا دی۔ دروازے میں جوں ہی آگ لگی اور شعلے بلند ہوئے حضرت عثمان کے داماد اور کاتب مروان تلوار لے کر باہر نکلے تاکہ باغیوں کو آتش زنی کی کارروائی سے روکیں باغیوں نے مروان پر حملہ کر دیا ابن النباع نے آگے بڑھ کر مروان کو نشانہ بنانا چاہا لیکن مروان کی تلوار نے اس کا کام تمام کر دیا مروان کافی دیر تک باغیوں سے نبرد آزما رہے لیکن باغیوں نے انہیں دھکیل کر فاطمہ بنت اوس کے مکان میں بند کر دیا،

نقل کر کے اس پر تنقید کرتے ہیں :-

اس امر کا تو ہمیں بھی اعتراف ہے کہ واقعی مجلس کے ممدوح شیر بہادر نے اس روز بہادری خوب دکھائی تھی مگر قدرت کی ستم ظریفی کا کیا علاج کہ جناب مروان نے اس روز جتنے زخم کھائے سب پیچھے ہی کی طرف سے کھائے۔ چنانچہ اس بہادری کے صلہ میں اسی روز سے تاریخ میں جناب کا لقب "مضروب القفا" پڑ گیا اور "خیط باطل" (جھوٹ کا دھاگہ) کا خطاب تو پہلے ہی سے حاصل تھا، اور کیوں نہ ہوتا۔ جناب نے اپنی ذہانت سے کارروائی ہی ایسی فرمائی تھی کہ جس سے اصلاح کی بنی بنائی صورت حال بگڑ کر فوری اشتعال پیدا ہو گیا۔ اور پھر کسی کے سنبھالے نہ سنبھل سکا اور آخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت پر منتج ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حافظ ابن کثیر "البدایہ والنہایہ" میں رقمطراز ہیں :-

و مروان اکبر الاسباب	حضرت عثمان کے محاصرہ کا بڑا سبب

فی حصار عثمان لانہ زور علی لسانہ کتاباً الی مصر یقتل اولئک الوفد۔ (ص۲۵۹ ج ۸)

مروان ہی تھا کیونکہ اسی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نام سے ایک جعلی خط مصر کو روانہ کیا تھا جس میں یہ حکم تھا کہ اس وفد کو قتل کر دیا جائے (جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے محمد بن ابی بکر کی سرکردگی میں مصر کی طرف ان کی گورنری کا پروانہ لے کر جا رہا تھا)

نعمانی صاحب حضرت مروان رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلاف جو کچھ تحریر کر سکتے تھے انہوں نے پوری طرح اس پر زورِ قلم صرف کر دیا ہے۔ مولانا کی تحریر سے مروان بن حکم رحمہ اللہ تعالیٰ کی سیرت کا جو نقشہ ذہن میں مرتسم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ مروان بن حکم انتہائی طور پر کمینہ صفت، بزدل، جھوٹا اور فتنہ پرداز تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی ذمہ داری زیادہ تر اسی کی فتنہ انگیز حرکتوں پر عائد ہوتی ہے۔ مولانا کے سینہ پُر کینہ میں اگر قوت برداشت کی صفت اور تحمل ہے تو ہم ان سے ایک ہی سوال کرتے ہیں کہ کیا آپ اس طرح کے فتان، خبیط باطل، اور مضروب القفا یعنی بزدل کو اپنی دامادی کے شرف سے نوازیں گے؟ یقیناً جواب نفی میں ہوگا۔ تو پھر کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اتنے سادہ لوح اور شرعی سیاست کی بصیرت سے بے بہرہ اور ناعاقبت اندیش تھے کہ انہوں نے ایسے شخص کو اپنی دامادی کے شرف سے بھی نوازا اور خلافت کے اہم امور کی سرانجام دہی بھی ایسے شخص کے سپرد کر دی، انا للہ وانا الیہ راجعون، یہ ہے "انا ولا غیری" کے حکمرانہ زعم باطل کا نتیجہ کہ تحقیق کے پردہ میں ایک ایسے جلیل القدر خلیفۂ راشد کے استخفاف کا ارتکاب کیا ہے کہ جن کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

الا استحی ممن تستحی منہ الملائکۃ

کیا میں ایسے شخص سے حیا نہ کروں جس سے فرشتے حیا کرتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کی روشنی میں مولانا نعمانی کی خدمت میں ہم صرف اتنا ہی عرض کریں گے:

"بے حیا باش و ہر چہ خواہی کن"

باقی رہی وہ روایت جو کہ نعمانی صاحب نے "البدایہ والنہایہ" کے حوالہ سے نقل کی ہے کہ حضرت عثمان

سے محاصرہ کا بڑا سبب مردان ہی تھا۔ کیونکہ اسی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نام سے ایک جعلی خط مصر کو روانہ کیا تھا جس میں یہ حکم تھا کہ اس وفد کو قتل کر دیا جائے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے محمد بن ابی بکر کی سرکردگی میں مصر کی طرف ان کی گورنری کا پروانہ لے کر جا رہا ہے۔" اس روایت کا بطلان "اظہر من الشمس" ہے اور اس روایت سے جو نظریہ مترشح ہوتا ہے اسی وقت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس کی تردید و تغلیط کر دی تھی جب صحابہ کرام نے خود ہی اس زعم باطل کی تردید کر دی تھی تو پھر اسی زعم باطل پر اصرار کرنا اور اسی کو بار بار دھرانا اس حقیقت کی طرف غماز ہے کہ نعمانی صاحب تحریک سبائیت سے بری طرح متاثر ہیں۔

اس روایت کا مختصر پس منظر یہ ہے کہ ماہ شوال ۳۵ھ کو عبد اللہ بن سبا یہودی کی تحریک سے مصر، بصرہ اور کوفہ سے مختلف سرداروں کی زیر قیادت سبائی فتنہ پرداز وں کے وفود نکلے ان کا منصوبہ یہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت سے یا معزول کریں گے یا قتل اور پہلے سے تجویز کردہ پروگرام کے مطابق یہ تمام وفود یکجا جمع ہو گئے اور مدینہ منورہ سے باہر قیام کر کے اپنے نمایندوں کو مدینہ منورہ میں بھیجا تاکہ وہ ان کے مطالبات پیش کریں۔ اکابر صحابہ نے ان کی غلط فہمیوں کو دور کیا اور ان کے شدید اصرار پر عامل مصر حضرت عبد اللہ بن سعد کو معزول کر کے محمد بن ابی بکر کو اس ہی کی جگہ پر متعین کر دیا گیا۔ اس مطالبہ کی منظوری کے بعد وہ لوگ بظاہر مطمئن ہو کر واپس روانہ ہو گئے۔ تیسرے یا چوتھے روز باغیوں کی پوری جماعت نعرۂ تکبیر بلند کرتی ہوئی مدینہ میں داخل ہوئی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا۔ صحابہ نے ان سے دریافت کیا کہ تم لوگ تو اطمینان کر کے واپس چلے گئے تھے پھر کیوں آ گئے ہو؟ انہوں نے کہا خلیفہ نے اپنے غلام کے ذریعہ عبد اللہ بن سعد عامل مصر کو ایک خط روانہ کیا ہے کہ جب ہم وہاں پہنچیں تو وہ ہمیں قتل کر دے ہم نے وہ خط پکڑ لیا ہے اس کو لے کر واپس آ گئے ہیں۔ اس پر صحابہ کرام نے فرمایا کہ تمہیں روانہ ہوئے تین چار روز گذر گئے ہیں ہر قافلہ علیحدہ علیحدہ راستہ پر روانہ ہو چکا ہوگا اگر خط والی بات واقعی صحیح ہے تو پھر صرف مصر والے لوگ ہی واپس ہوتے یہاں تو تم سب کے سب جمع ہو گئے ہو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق تم واپس آئے ہو۔ انہوں نے جواباً کہا آپ جو کچھ سمجھیں ہمیں یہ خلیفہ منظور نہیں۔

فانصرف الجميع مظهرين الرجوع	وہ تمام کے تمام واپس ہو گئے اور ظاہر یہ کیا
الى بلادهم حتى تفرق اهل المدينة	کہ وہ اپنے اپنے شہروں کی طرف جا رہے ہیں
ثم لم يشعروا الا والتكبير	حتیٰ کہ اہل مدینہ مطمئن ہو کر منتشر ہو گئے
فى نواحيها واحيط بدار عثمان	پھر اہل مدینہ بے خبری میں تھے کہ اچانک

ونودی من کف یدہ فھو آثم
فلزم الناس بیوتھم واستغربوا
رجوع الثوار بعد الاذعان
من اعفائھم من العمال
الذین یطلبون عزلھم فاتی
محمد بن مسلمۃ المصریین وقال
لھم ما الذی ارجعکم بعد
ذھابکم فقالوا اخذنا کتاباً
من البرید مع خادم عثمان
لعامل مصر یأمرہ فیہ
بقتلنا ثم سئل البصریین
عن مجیئھم فقالوا النصر
اخواننا وکذالک قال الکوفیون
فقال کیف علمتم بما لقی اھل
مصر وکلکم علی مراحل من
صاحبہ حتی رجعتم الینا
جمیعًا ھذا امرا برم بلیل
فقالوا اجعلوہ کیف شئتم
لاحاجۃ لنا بھذا الرجل
لیعتزلنا۔

(اتمام الوفاء فی سیرۃ الخلفاء
ص ۱۹۵)

انہوں نے اطراف مدینہ میں نعرۂ تکبیر کی آواز
سنی اور یہ دیکھا کہ باغیوں نے حضرت عثمان
رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کر لیا ہے، اور
باغیوں نے آپس میں یہ اعلان بھی کر دیا کہ
کہ جس نے اپنا ہاتھ روکا وہ گنہگار ہوگا
اہل مدینہ یہ حالت دیکھ کر گھروں میں بیٹھ گئے
اور انہوں نے باغیوں کی واپسی کو عجیب سمجھا
اس لئے کہ پہلے تو وہ اطمینان کر کے واپس
ہو گئے تھے اور عمال کی معزولی کے مطالبہ
سے بھی دست بردار ہو گئے تھے۔ حضرت
محمد بن مسلمہ مصریوں کے پاس آئے اور ان
سے دریافت کیا کہ تم لوگ واپس جانے کے
بعد پھر کیوں لوٹ آئے ہو؟ انہوں نے کہا
ہم نے حضرت عثمان کے غلام سے ایک
خط پکڑا ہے۔ جس میں انہوں نے عامل مصر کو
ہمارے قتل کرنے کا حکم دیا ہے پھر اس کے
بعد انہوں نے اہل بصرہ سے پوچھا کہ تم کیوں
واپس آئے ہو انہوں نے کہا ہم اپنے
بھائیوں کی امداد کرنے کے لیے، اسی طرح
کوفیوں نے بھی یہی کہا۔ اس پر حضرت
محمد بن مسلمہ نے پوچھا کہ تم کو کس طرح معلوم
ہو گیا تھا کہ اہل مصر کے ساتھ یہ واقعہ پیش
آیا ہے حالانکہ تم ایک دوسرے سے کئی مراحل

پر جدا ہو چکے تھے ، اور پھر سب کے سب جمع ہو کر تم کیسے واپس آگئے ہو؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے یہ منصوبہ رات ہی رات کو تیار کر لیا ہے انہوں نے کہا تم جس طرح سمجھو ہمیں اس خلیفہ کی حاجت نہیں اس کو چاہیئے کہ خود بخود ہی ہم سے جدا ہو جائے۔

یہ ہے اس خط والی روایت کی حقیقت جس کو نعمانی صاحب نے نقل کیا ہے اور اسی روایت کے پردے میں سبائیوں کی پاک دامنی بیان کر کے حضرت مروان بن حکم رحمہ اللہ تعالیٰ کو موردِ الزام ثابت کرنے کی کوشش کی ہے

حُسنِ اِنتقاد

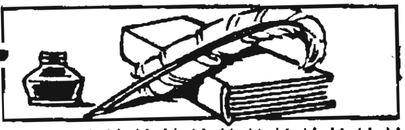

تبصرہ کے لئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے ،

کتاب: اہل بیت
ترجمہ: مولانا محمد سعید الرحمن علوی
قیمت: =/۹۵ روپے
ملنے کا پتہ: بساط ادب چوک انار کلی لاہور
تبصرہ: ادارہ

ایک عرب اہل علم کے چند رسائل بعنوان اہل بیت سامنے آئے جن میں حضور سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، آپ کی سب سے پہلی اہلیہ محترمہ سیدہ خدیجہ طاہرہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا ورضوانہ، چاروں صاحبزادیوں سلام اللہ تعالیٰ علیہن ورضوانہ کے ساتھ ساتھ آپ کی والدہ محترمہ سیدہ آمنہ پر گفتگو کی گئی ہے۔ ان رسائل میں ان بزرگ شخصیا کی سوانح حیات کا اہتمام نہیں کیا گیا بلکہ سادہ آسان اور لطیف پیرائے میں تربیت کے نقطہ نظر سے ان کے کردار و عمل کا نقشہ پیش کیا گیا ہے تاکہ مسلم نوجوان اور ہماری بچیاں اپنے آئینہ قلوب کے تزکیہ کا اہتمام کر سکیں اور اپنے دلوں کی اجڑی بستیاں آباد کر سکیں۔ چونکہ کردار کی تعمیر اور جذبہ عمل کی پیداوار کے لئے یہ رسائل صد درجہ مفید تھے کتاب کے ابتدائیہ سے پتہ چلتا ہے کہ بساط ادب کے مالک چودھری ثناءاللہ صاحب بھٹہ نے مجلس احرار اسلام کے مخلص و دیرینہ رفیق کار مولانا محمد رمضان علوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے فرزند محمد سعید الرحمن علوی سے ان کے ترجمہ کی خواہش ظاہر کی جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس کام کا بہت اچھا ملکہ عطا فرمایا ہے علوی صاحب نے اس اسلوب کا لحاظ کرتے ہوئے ترجمہ کیا جس میں شستگی شائستگی، متانت اور سادگی و پرکاری کا انداز نمایاں ہے۔ اگر مؤلف کا نام اڑا دیا جائے تو علوی صاحب کی ایک شگفتہ تحریر نظر آئے گی اور خوف خدا سے عاری لوگ ایسا کر بھی لیتے ہیں یہاں لیکن علوی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ایسے ہیچ کاموں سے بچایا ہے جوان پر رب کریم کا خاص کرم ہے۔ کتاب کی ابتداء میں انہوں نے "اہل بیت" کے حوالہ سے جو مقدمہ لکھا وہ خاصے کی چیز ہے۔ اور اس حوالہ سے رفض و سبائیت کے علمبردار اور ان کے نام نہاد سنی ایجنٹ جو غلط فہمیاں پھیلاتے ہیں ان کی خوب وضاحت کی ہے۔ یہ تحریر بجائے خود بڑی معرکۃ الآراء ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ ہر مرد و زن خورد کلاں کے لئے بڑا مفید ثابت ہوگا

تحریر : شاہ بلیغ الدین

رسُول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور سربراہانِ خاندان

قریش کے سردار کا کہنا تھا کہ —— اخلاق اچھے ہوں، آدمی ظلم نہ کرے اور غرور و تکبّر سے بچا رہے تو یہ بہت بڑی بات ہے۔ کوئی کہتا ہے اِس سردار نے ایک سو دس برس کی عمر پائی، کوئی کہتا ہے ۵۷۹ء میں ۸۲ برس کی عمر میں خانۂ کعبہ کے اِس رکھوالے کا انتقال ہوا۔ اس وقت ابرہہ اشرم کے واقعہ کو کوئی آٹھ برس گزر گئے تھے۔

یہ سردار یثرب میں پیدا ہوا۔ سات، آٹھ برس کی عمر تک وہیں رہا۔ پھر مکّہ آیا۔ ہجرت کے بعد یثرب کی بستی مدینۃ النبی کہلانے لگی۔ اِس سردار کی والدہ سلمیٰ بنو نجّار کی تھیں اور آج جہاں مسجدِ نبوی ہے اس کے پاس ہی رہتی تھیں۔ ابھی یہ سردار پیدا نہیں ہوا تھا کہ فلسطین کے شہر غزہ میں اس کے باپ کا اِنتقال ہوگیا۔ ہاشم نام تھا۔ عمر مُشکل سے پچیس برس کی ہوگی اِسی زمانے میں قریش کا یہ سردار اپنے ننھیال میں پیدا ہوا۔ عجیب بات یہ تھی کہ نومولود کے سر میں ایک گُچھا سفید بالوں کا تھا۔ اِسی لئے عزیز رِشتہ دار اسے "شیبۃ الحمد" پُکارنے لگے۔ نام عامر تھا لیکن شُہرت چچا کے نام سے ہوئی جو مطّلب کہلاتے تھے۔ چُونکہ چچا بھتیجا اکثر ساتھ رہتے تھے اس لئے لوگوں نے بھتیجے کو عبدالمطلبْ پکارنا شروع کیا۔ یعنی —— مُطّلب کا غلام!

عبدالمطلب تجارت کرتے تھے۔ شام اور یمن کے علاقوں میں اُن کا کاروبار تھا۔ اونٹوں کے بہت بڑے گلّے کے مالک تھے طائف میں بھی ایک کنواں ان کے پاس تھا۔ خانۂ کعبہ کے رکھوالوں میں ان کا بڑا اعزاز تھا اور مکّے کی یاترا کے موقع پر دو بڑے کام ان کے سپُرد تھے —— سقایہ یعنی پانی پلانا —— اور رِفادہ یعنی کھانا کھِلانا! یاتری بڑی تعداد میں مکّے میں جمع ہوتے تو آج کی اصلاح میں عبدالمطلب کا ہوٹل کا کاروبار خوُب چمک جاتا تھا۔ وہ بڑے خوش اخلاق اور فیّاض آدمی تھے۔ اُنکی مہمان نوازی کی دُور دور شہرت تھی۔ دسترخوان ہمیشہ وسیع رکھتے تھے۔ انہوں نے بہت سے کنوئیں کُھدوائے تھے۔ زمزم کو پھر سے کُھدوانے کے لئے اُنہوں نے مُسلسل تین راتوں تک خواب دیکھا تھا۔ زمزم کا کنواں بڑے عرصے پہلے عمرو بن حارث جرہمی نے بند کرا دیا تھا لوگوں کو یہ بھی یاد نہ رہا تھا کہ یہ کنواں کہاں واقع تھا۔ خواب میں اِنھیں یہ جگہ دِکھلائی گئی۔